ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 437

Program: B.A. / Associate Degree

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: اسلامیات (اختیاری) (437) • سطح: بی اے / ایسوسی ایٹ ڈگری

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (اسائنمنٹ: 1 تا 4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: بی اے 40، ایسوسی ایٹ ڈگری 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ و حوالہ کے لیے)

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کریں اور جوابات اپنے الفاظ میں تحریر کریں، کیونکہ امتحانی مشقوں میں ہو بہو نقل مناسب نہیں ہوتی۔

سوال نمبر 1: غزوۂ اُحد — پس منظر اور نتائج (20 نمبر)

سوال نمبر 1: غزوۂ اُحد کب لڑی گئی؟ اس غزوہ کے پس منظر اور نتائج پر تفصیلی مضمون تحریر کریں۔

تعارف

غزوۂ اُحد اسلامی تاریخ کے اہم ترین معرکوں میں سے ایک ہے۔ یہ غزوہ ہجرت کے تیسرے سال، شوال کے مہینے میں مدینہ منورہ کے قریب واقع پہاڑ اُحد کے دامن میں لڑا گیا۔ اس معرکے میں بظاہر مسلمانوں کو وقتی طور پر نقصان [illegible]، مگر اس کے اسباب، واقعات اور نتائج میں امتِ مسلمہ کے لیے ہمیشہ کے لیے رہنما اسباق پوشیدہ ہیں۔ قرآن مجید نے سورۃ آل عمران کی متعدد آیات میں اس غزوے کے واقعات، اس کے اسباب اور مسلمانوں کی آزمائش کا تفصیلی ذکر کیا ہے، جس سے اس غزوے کی دینی و تاریخی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس مضمون میں ہم پہلے اس غزوے کا پس منظر بیان کریں گے کہ کن حالات میں یہ جنگ پیش آئی، پھر جنگ کے اہم واقعات کا جائزہ لیں گے اور آخر میں اس کے نتائج و اثرات اور اس سے حاصل ہونے والے اسباق پر روشنی ڈالیں گے۔

پس منظر

غزوۂ اُحد کا بنیادی پس منظر غزوۂ بدر میں قریشِ مکہ کی ذلت آمیز شکست تھی۔ بدر میں قریش کے ستر بڑے سردار مارے گئے اور ستر قیدی بنے، جن میں ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف جیسے نامور سردار شامل تھے۔ مکہ کے گھر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی اور قریش کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ سردارِ قریش ابوسفیان نے عہد کیا تھا کہ جب تک بدر کا بدلہ نہ لے لے گا، وہ سکون سے نہیں بیٹھے گا۔ اسی طرح ہند بنت عتبہ، جس کے باپ، چچا اور بھائی بدر میں مارے گئے تھے، انتقام کی آگ میں جل رہی تھی۔

مزید یہ کہ ابوسفیان کا وہ تجارتی قافلہ جو بدر کی جنگ کا سبب بنا تھا، اس کا سارا منافع قریش نے جنگی تیاریوں کے لیے وقف کر دیا۔ قرآن مجید نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کفار اپنے اموال اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ تین ہزار کی بھاری فوج تیار کی گئی جس میں سات سو زرہ پوش، دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ شامل تھے۔ عورتیں بھی فوج کے ساتھ نکلیں تاکہ وہ اپنے گیتوں اور نوحوں سے مردوں کو لڑنے پر ابھارتی رہیں اور کسی کو میدان سے بھاگنے نہ دیں۔

ادھر مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کو دشمن کی تیاریوں کی خبر آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خط کے ذریعے پہنچ گئی تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کہ دشمن کا مقابلہ مدینہ کے اندر رہ کر کیا جائے یا باہر نکل کر۔ آپ ﷺ کی اپنی رائے اور بڑے صحابہ کی رائے مدینہ میں رہ کر دفاع کرنے کی تھی، مگر نوجوان صحابہ، خصوصاً وہ جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، پُرجوش انداز میں باہر نکل کر لڑنے پر مصر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اکثریت کی رائے قبول فرمائی اور جمعہ کے دن عصر کے بعد فوج لے کر اُحد کی طرف روانہ ہوئے۔ اس واقعے سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ شوریٰ اسلامی نظام کی اساس ہے اور قائد کو اکثریت کی رائے کا احترام کرنا چاہیے۔

جنگ کے اہم واقعات

مسلمانوں کی فوج کی تعداد ایک ہزار تھی، مگر منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی تین سو آدمیوں کو لے کر واپس پلٹ گیا، یوں مسلمان صرف سات سو رہ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فوج کو صف آرائی کی اور پچاس تیر اندازوں کو حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں پہاڑی درے پر مقرر فرمایا اور سخت تاکید فرمائی کہ ہمیں غالب دیکھو یا مغلوب، اپنی جگہ ہرگز نہ چھوڑنا۔ یہ درہ فوج کی پشت کی حفاظت کے لیے کلیدی حیثیت رکھتا تھا۔

جنگ کا آغاز ہوا تو مسلمانوں نے زبردست حملہ کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر بہادروں نے دشمن کے صفوں کو چیر کر رکھ دیا۔ مشرکین شکست کھا کر بھاگنے لگے اور مسلمان مالِ غنیمت سمیٹنے میں مشغول ہو گئے۔ اس صورتحال کو دیکھ کر درے پر موجود اکثر تیر اندازوں نے سمجھا کہ جنگ ختم ہو گئی ہے، چنانچہ وہ امیر کی ممانعت کے باوجود اپنی جگہ چھوڑ کر نیچے اتر آئے۔ صرف چند تیر انداز اپنے امیر کے ساتھ درے پر باقی رہ گئے۔

اسی موقع سے دشمن کے سوار دستے نے، جس کی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے (جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے)، درے کے راستے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ صورتحال یکسر بدل گئی۔ مسلمان دونوں طرف سے دشمن کے نرغے میں آ گئے۔ اسی ہلچل میں یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں، جس سے مسلمانوں کے حوصلے مزید پست ہو گئے۔ تاہم آپ ﷺ زندہ تھے، البتہ آپ ﷺ کو زخم آئے، آپ کا دندانِ مبارک شہید ہوا اور چہرۂ انور زخمی ہوا۔ چند جان نثار صحابہ نے آپ ﷺ کے گرد حصار بنا کر آپ کی حفاظت کی۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما نے غیر معمولی بہادری کا مظاہرہ کیا۔

اس غزوے میں ستر صحابہ کرام نے جامِ شہادت نوش کیا، جن میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو وحشی نامی غلام نے نیزے سے شہید کیا تھا۔ اسی طرح حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، جو اسلام کے پہلے سفیر تھے، بھی شہید ہوئے۔

نتائج واثرات

غزوۂ اُحد کے نتائج کو ظاہری اور باطنی دو پہلوؤں سے دیکھنا چاہیے۔ ظاہری طور پر مسلمانوں کو جانی نقصان اٹھانا پڑا اور دشمن کو وقتی طور پر برتری حاصل ہوئی، تاہم دشمن اپنے اصل مقصد، یعنی مدینہ پر قبضہ یا اسلام کا خاتمہ، میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ابوسفیان اگلے سال بدر میں دوبارہ مقابلے کا اعلان کر کے مکہ واپس چلا گیا، یعنی خود دشمن بھی اپنی اس فتح کو فیصلہ کن نہیں سمجھتا تھا۔

پہلو	بدر (2ھ)	اُحد (3ھ)
مسلمانوں کی تعداد	313	700 (منافقین کی واپسی کے بعد)
دشمن کی تعداد	تقریباً 1000	تقریباً 3000
مسلمان شہداء	14	70
اہم سبق	ایمان و توکل کی فتح	اطاعتِ رسول ﷺ کی اہمیت

باطنی اور دینی اعتبار سے اس غزوے کے بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ پہلا بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ مومنوں اور منافقین کے درمیان واضح لکیر کھنچ گئی؛ منافقین کا کردار کھل کر سامنے آ گیا، جو امت کے اندرونی نظام کے لیے ایک طرح کی تطہیر تھی۔ دوسرا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ فتح کا اصل سبب اللہ کی مدد اور رسول ﷺ کی کامل اطاعت ہے، نہ کہ تعداد یا اسلحہ۔ جب تیر اندازوں نے حکمِ رسول ﷺ کی خلاف ورزی کی تو فتح کی صورتحال نقصان میں بدل گئی۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا کہ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا تھا، مگر جب تم نے خود کمزوری دکھائی اور حکم میں اختلاف کیا تو صورتحال بدل گئی۔

تیسرا نتیجہ صبر و استقامت کی تربیت تھا۔ سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دی کہ دل شکستہ نہ ہو اور غم نہ کرو، اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے، اور یہ کہ شہادت ایک عظیم مرتبہ ہے اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اس تسلی نے مسلمانوں کے حوصلے بحال کر دیے اور وہ اگلے ہی دن حمراء الاسد تک دشمن کا پیچھا کرنے نکل کھڑے ہوئے، جس سے دشمن کے دل پر رعب بیٹھ گیا۔

حاصل ہونے والے اسباق

- قیادت کی کامل اطاعت کامیابی کی بنیاد ہے؛ ذاتی رائے کو حکمِ قیادت پر قربان کرنا لازمی ہے۔
- دنیا کی محبت اور مالِ غنیمت کی حرص آزمائش کے موقع پر نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔
- آزمائش اور تکلیف مومن کی تربیت اور منافق سے امتیاز کا ذریعہ ہوتی ہے۔
- شکست یا وقتی نقصان پر مایوسی کے بجائے اسباب کا جائزہ لے کر اصلاح کرنا ہی مومن کا شیوہ ہے۔

یہ اسباق صرف جنگی میدان تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ ایک طالب علم، ایک ملازم، ایک تاجر—ہر شخص کے لیے یہی اصول ہے کہ نظم و ضبط اور اپنے مقصد سے وابستگی ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ غزوۂ اُحد 3ھ میں شوال کے مہینے میں لڑا گیا، جس کا پس منظر بدر کی شکست کا انتقام تھا۔ اس میں مسلمانوں کو نافرمانی کی وجہ سے وقتی نقصان اٹھانا پڑا، ستر صحابہ شہید ہوئے، مگر اس کے نتائج دور رس تھے: منافقین بے نقاب ہوئے، مسلمانوں کی تربیت ہوئی، اور اطاعت، صبر اور توکل کے وہ اسباق ملے جو آج تک امت کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اس غزوے کا ذکر اتنی تفصیل سے کیا ہے تاکہ قیامت تک کے مسلمان اس سے رہنمائی حاصل کرتے رہیں۔

سوال نمبر2: آیت﴿اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ﴾کاترجمہ وتشریح(20نمبر)

سوال نمبر2: ﴿اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ وَمَا اخۡتَلَفَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَھُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡیًۢا بَیۡنَھُمۡ﴾ آیت کاترجمہ اور تشریح لکھیں۔

تعارف

یہ آیت سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 19 ہے۔ یہ سورہ مدنی ہے اور اس آیت میں دین کے بنیادی ترین مسئلے، یعنی اللہ کے نزدیک مقبول دین کی حقیقت، کو نہایت جامع اور فیصلہ کن انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت کا پس منظر اہلِ کتاب، خصوصاً نجران کے عیسائی وفد اور یہود کے علماء کے ساتھ ہونے والے مباحث و مناظرے ہیں، جہاں ہر گروہ اپنے مذہب کو ہی واحد حق سمجھتا تھا۔ اس آیت نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا کہ اللہ کے ہاں قبولیت کا معیار کسی گروہ کی نسبت یا دعویٰ نہیں، بلکہ اللہ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔

ترجمہ

"بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے علم آجانے کے بعد ہی اختلاف کیا، اور وہ بھی محض آپس کی ضد اور بغض کی وجہ سے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول طرزِ زندگی اور معتبر راستہ صرف "اسلام" ہے، اور اہلِ کتاب کا اپنے انبیاء کی تعلیمات سے اختلاف اور گروہ بندیاں جہالت کی بنا پر نہیں تھیں بلکہ حق جان لینے کے بعد باہمی حسد و عناد کی وجہ سے تھیں۔

لفظی تشریح

"الدّین" کا لفظ عربی میں جزا، اطاعت اور طرزِ زندگی کے معنوں میں آتا ہے۔ یہاں دین سے مراد وہ مکمل نظامِ حیات ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔ "عِندَ اللّٰہِ" کا مطلب ہے اللہ کے ہاں، اس کے فیصلے اور اس کی نظر میں۔ "اِلْاِسْلَام" کا لغوی معنی ہے گردن جھکا دینا، اپنے آپ کو سپرد کر دینا اور کامل اطاعت اختیار کرنا۔ اصطلاحاً اسلام سے مراد اللہ کی وحدانیت، اس کے رسولوں اور اس کی نازل کردہ شریعت کو دل و جان سے مان کر اس کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔

آیت کے دوسرے حصے میں "الَّذِینَ اُوتُوا الْکِتَابَ" سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جنہیں تورات اور انجیل عطا کی گئی تھیں۔ "بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ" کا مطلب ہے آپس میں بغض، حسد اور ضد کی بنا پر۔ یعنی ان کا اختلاف علمی کمزوری یا دلیل کی کمی کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ اس کی جڑ باہمی حسد تھی: ہر قوم چاہتی تھی کہ آخری نبی اسی کی قوم سے ہو، اور جب نبی آخر الزماں ﷺ بنی اسماعیل میں سے مبعوث ہوئے تو انہوں نے محض حسد کی وجہ سے انکار کر دیا، حالانکہ وہ نشانیاں پہچانتے تھے۔

مفہوم و تشریح

اس آیت کا پہلا اور بنیادی پیغام یہ ہے کہ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں جو ساتویں صدی عیسوی میں شروع ہوا ہو، بلکہ اسلام تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین رہا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک ہر نبی نے اسی دعوت کو پیش کیا کہ اللہ ایک ہے، اسی کی عبادت کرو اور اسی کے فرمان کے آگے سر جھکاؤ۔ اسی لیے قرآن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "مسلم" قرار دیتا ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنی اولاد کو وصیت بھی یہی نقل کرتا ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے دین پسند کر لیا ہے، پس تم اسلام ہی پر مرنا۔ شریعتوں کی جزئیات ہر دور میں مختلف ہو سکتی ہیں، مگر دین کی بنیاد، یعنی توحید و اطاعت، ہمیشہ ایک ہی رہی ہے۔

دوسرا پیغام یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک قبولیت کا دارومدار اسی تسلیم و رضا پر ہے۔ سورۃ آل عمران ہی کی آیت 85 میں اس کی مزید وضاحت آئی ہے کہ جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض کسی مذہبی گروہ سے نسبت رکھنا نجات کے لیے کافی نہیں؛ اصل چیز اللہ کے آخری اور مکمل پیغام کو ماننا ہے۔

تیسرا پیغام اہلِ کتاب کے اختلاف کی اصل وجہ کی تشخیص ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ علم آ جانے کے بعد اختلاف کرنا دراصل علم کی ناقدری اور اخلاقی خرابی کی علامت ہے۔

جب اختلاف کی بنیاد دلیل کے بجائے حسد، قومی عصبیت اور ذاتی مفاد ہو تو وہ اختلاف کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہ حکم صرف اہلِ کتاب کے لیے نہیں، خود مسلمانوں کے لیے بھی تنبیہ ہے کہ وہ علم رکھنے کے باوجود گروہی ضد کی وجہ سے فرقہ واریت کا شکار نہ ہوں۔

مفسرین نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ آیت کا آغاز "شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" والی پچھلی آیت سے جڑا ہوا ہے: پہلے توحید کی گواہی بیان ہوئی، پھر بتایا گیا کہ اسی توحید پر قائم دین یعنی اسلام ہی اللہ کے ہاں معتبر ہے۔ اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی پہچان ہی کامل توحید اور ہمہ گیر اطاعت ہے۔

آیت سے حاصل شدہ اسباق

- اللہ کے ہاں مقبول دین صرف مکمل اطاعت و تسلیم ہے، نہ کہ محض رسمی نسبت یا گروہی دعویٰ۔
- حق جان لینے کے بعد اسے نہ ماننا حسد اور عناد ہے جس کی اللہ کے ہاں سخت پکڑ ہے۔
- اختلاف اگر علمی دلیل کی بنیاد پر ہو تو قابلِ قبول ہو سکتا ہے، مگر ضد و حسد پر مبنی اختلاف مذموم ہے۔
- مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلام کی اس جامعیت کو سمجھیں اور فرقہ وارانہ ضد سے بچیں۔

یہ آیت ہمیں یہ بھی سکھاتی ہے کہ دین کی دعوت پیش کرتے وقت جھگڑا مقصود نہیں؛ اصل مقصود حق کی وضاحت ہے۔ اہلِ کتاب کو دعوت دینے کا انداز بھی یہی ہونا چاہیے کہ مشترکہ سچائیوں سے بات شروع کی جائے، جیسا کہ اسی سورہ کی آیت 64 میں "کلمۂ سواء" کی طرف بلایا گیا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ آل عمران کی یہ آیت دین کی حقیقت پر ایک جامع اور فیصلہ کن بیان ہے: اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام یعنی کامل تسلیم و اطاعت ہے، تمام انبیاء اسی دین کے داعی تھے، اور اہلِ کتاب کا بعد کا اختلاف علم کے [illegible] و بغض کا نتیجہ تھا۔ اس لیے انسان کی نجات اسی میں ہے کہ وہ ضد چھوڑ کر اللہ کے آخری پیغام کو قبول کرے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرے۔

سوال نمبر 3: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں کا موقف (20 نمبر)

سوال نمبر 3: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں کے موقف کو تفصیل سے بیان کریں۔

تعارف

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر اور اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ تاہم افسوس کہ بنی اسرائیل کی اکثریت نے آپ کی دعوت قبول کرنے کے بجائے دشمنی اور مخالفت کا راستہ اختیار کیا۔ قرآن مجید نے یہودیوں کے اس موقف اور ان کے الزامات کی تفصیل بیان کی ہے اور ان کی تردید بھی کی ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اصل موقف کیا تھا اور قرآن نے اس پر کیا رد عمل دیا۔

یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں موقف

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ایک عظیم معجزہ تھی: آپ بغیر باپ کے حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے، جیسا کہ قرآن نے حضرت آدم علیہ السلام کی مثال دے کر واضح کیا کہ اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ مگر یہودیوں نے اس معجزے کو ماننے کے بجائے حضرت مریم علیہا السلام پر سنگین الزامات لگائے۔ سورۃ النساء میں اللہ

تعالیٰ نے ان کے اس "بہتانِ عظیم" کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر لگایا تھا۔ انہوں نے (نعوذ باللہ) آپ کی ولادت کو ناجائز قرار دینے کی کوشش کی، حالانکہ حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی کی گواہی خود قرآن نے دی اور انہیں تمام جہانوں کی عورتوں پر فضیلت عطا ہونے کی خوشخبری دی گئی۔

اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام گہوارے میں بچے تھے، انہوں نے کلام کر کے اپنی نبوت اور اپنی والدہ کی براءت کا اعلان کیا، تو یہ معجزہ دیکھ کر بھی یہودی قوم نے اسے جادو قرار دیا۔ قرآن نے بار بار اس رویے کا ذکر کیا کہ جب بھی کوئی نبی ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آیا، انہوں نے تکبر کیا اور ایک جماعت کو جھٹلایا اور ایک کو قتل کیا۔

دعوت کی مخالفت اور قتل کی سازش

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو تورات کی تصدیق، انجیل کی بشارت اور اللہ کی وحدانیت کی دعوت دی۔ آپ مردوں کو اللہ کے حکم سے زندہ کرتے، پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو شفا دیتے، مٹی سے پرندے کی صورت بنا کر اس میں جان ڈال دیتے اور غیب کی خبریں بتاتے۔ یہ معجزات دیکھ کر عام لوگوں میں سے کچھ ایمان لائے، جنہیں حواری کہا جاتا ہے، مگر یہودی علماء اور سرداروں نے آپ کو اپنی مذہبی اجارہ داری کے لیے خطرہ سمجھا۔ انہوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ کے معجزات کو جادو کہا اور بالآخر آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔

یہودیوں کا اپنے اس جرم پر فخر اور دعویٰ قرآن نے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے: ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم، اللہ کے رسول کو قتل کر دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس دعوے کی پرزور تردید فرمائی: نہ انہوں نے انہیں قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ ان کے لیے معاملہ مشتبہ بنا دیا گیا۔ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف زندہ اٹھا لیا اور وہ قیامت کے قریب اللہ کے حکم سے دوبارہ نازل ہوں گے۔ مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے جو قرآن و سنت سے ثابت ہے۔

یہودیوں کی نظر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) وعدہ کیا گیا مسیح (مسیحا) بھی نہیں تھے۔ وہ ایک ایسے نجات دہندہ بادشاہ کے منتظر تھے جو انہیں رومیوں کی غلامی سے نجات دلائے اور دنیاوی سلطنت قائم کرے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روحانی بادشاہت اور آخرت کی نجات کی دعوت لے کر آئے تھے اور آپ نے یہودی علماء کی ریاکاری، سود خوری اور دین فروشی کو بے نقاب کیا تھا، اس لیے انہوں نے آپ کو اپنا مسیحا ماننے سے بھی انکار کر دیا۔

یہودی موقف کے دیگر پہلو

یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بھی قبول نہ کیا۔ آپ نے تورات کے بعض احکام میں نرمی اور روحانی گہرائی پیش کی اور بعض چیزیں جو ان پر حرام کر دی گئی تھیں، حلال قرار دیں، مگر یہودی علماء اسے شریعت کی تبدیلی اور کفر سمجھتے رہے۔ اسی طرح انہوں نے آپ کے پیروکاروں کو بھی ستایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد بھی یہودیوں کی عداوت جاری رہی اور وہ عیسائیت کے سخت مخالف رہے۔

ایک اور پہلو یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنی کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں توہین آمیز باتیں محفوظ کر لیں۔ بعد کے یہودی ادب میں بھی آپ کے بارے میں گستاخانہ روایات ملتی ہیں، جن کا مقصد آپ کی نبوت کا انکار تھا۔ اس کے مقابلے میں اسلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مکمل عزت و احترام دیا: قرآن آپ کو "کلمۃ اللہ"، "روح اللہ" اور "وجیہ فی الدنیا والآخرۃ" قرار دیتا ہے اور آپ کی والدہ کو پاکباز اور صدیقہ کہتا ہے۔ یہ فرق بتاتا ہے کہ حق کا راستہ افراط و تفریط سے پاک درمیانی راستہ ہے: یہودیوں نے انکار و توہین کی، عیسائیوں نے غلو کر کے ابن اللہ بنا لیا، اور اسلام نے آپ کو اللہ کا بندہ اور رسول مان کر اعتدال قائم کیا۔

مسئلہ	یہودی موقف	اسلامی (قرآنی) موقف
ولادت	معجزے کا انکار، حضرت مریم پر بہتان	بغیر باپ کے معجزانہ ولادت، حضرت مریم صدیقہ و پاکباز

اللہ کے رسول اور اولوالعزم نبی	انکار، معجزات کو جادو قرار دینا	نبوت
آپ ہی مسیح ہیں، قربِ قیامت میں نزول فرمائیں گے	انکار؛ دنیاوی بادشاہ مسیحا کے منتظر	مسیح ہونا
نہ قتل ہوئے نہ مصلوب؛ اللہ نے زندہ اٹھالیا	قتل کا دعویٰ اور اس پر فخر	قتل / مصلوب ہونا

یہودی موقف کے اسباب

یہودیوں کے اس منفی موقف کے چند اسباب نمایاں ہیں: (1) حسد و عصبیت — وہ چاہتے تھے کہ نبوت بنی اسرائیل ہی میں رہے اور فضیلت صرف انہی کی قوم کو ملے۔(2) دنیاوی مفادات — حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے کاروباری و مذہبی مفادات، سود اور رشوت کو چیلنج کیا تھا۔(3) تکبر — قرآن نے کہا کہ ان کے دلوں پر انکار و کفر کی وجہ سے مہر لگ گئی اور انہوں نے انبیاء کو قتل تک کیا۔(4) دنیاوی مسیحا کی توقع — ان کی سیاسی توقعات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانی دعوت سے میل نہیں کھاتی تھیں۔یہی اسباب بعد میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی دہرائے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں موقف انکار، الزام اور عداوت پر مبنی تھا: انہوں نے آپ کی معجزانہ ولادت کا انکار کر کے حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان لگایا، آپ کی نبوت کو جھٹلایا، معجزات کو جادو کہا اور آپ کو قتل کرنے کی سازش کرتے ہوئے اس کا جھوٹا دعویٰ بھی کیا۔ قرآن مجید نے ان تمام الزامات کی تردید کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و عزت کو بحال کیا اور یہ ثابت کیا کہ اللہ اپنے رسولوں کی حفاظت خود فرماتا ہے۔ مسلمان کے لیے اس سے سبق یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دل و جان سے اللہ کا نبی مانے اور ہر اس عقیدے سے بچے جو انکار یا غلو پر مبنی ہو۔

سوال نمبر 4: سورۃ آل عمران کا شانِ نزول اور تاریخی پس منظر (20 نمبر)

سوال نمبر 4: سورۃ آل عمران کا شانِ نزول اور تاریخی پس منظر پر جامع مضمون تحریر کریں۔

تعارف

سورۃ آل عمران قرآن مجید کی تیسری اور طویل مدنی سورتوں میں سے ایک ہے۔ اس میں ۲۰۰ سو آیات اور بیس رکوع ہیں۔ "آل عمران" کے معنی ہیں عمران کا خاندان؛ اس سورت میں حضرت عمران کے خاندان، خصوصاً حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی ذکر آیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ یہ سورت ان حالات کی آئینہ دار ہے جن سے نوجوان اسلامی ریاست مدینہ کو ہجرت کے بعد کے ابتدائی سالوں میں گزرنا پڑا۔ ایک طرف یہود و نصاریٰ کے علمی و مذہبی اعتراضات تھے، دوسری طرف میدانِ جنگ میں قریش کا مقابلہ، اور تیسری طرف اندرونی صفوں میں منافقین کی ریشہ دوانیاں۔

شانِ نزول: نجران کے عیسائی وفد کا واقعہ

اس سورت کی ابتدائی تقریباً اسی آیات کے نزول کا مشہور سبب نجران (یمن) کے عیسائیوں کے وفد کی مدینہ آمد ہے۔ 9ھ میں نجران کے ساٹھ سواروں پر مشتمل ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، جس میں ان کے بڑے پادری اور سردار بھی شامل تھے۔ اس وفد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت، ابن اللہ ہونے اور تثلیث کے عقیدے پر مناظرہ کیا۔ انہوں نے سوال اٹھایا کہ اگر عیسیٰ اللہ کے بیٹے نہیں تو پھر ان کے باپ کون ہیں؟ انہی مباحث کے جواب میں اس سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں توحید کا اعلان، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق کی مثال حضرت آدم علیہ السلام سے، اور تثلیث کی تردید کی گئی۔

جب مناظرے میں وفد کے دلائل ختم ہو گئے تو آیتِ مباہلہ نازل ہوئی جس میں انہیں دعوت دی گئی کہ اپنے بیٹوں، عورتوں اور جانوں کو لے کر آؤ اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کی بد دعا کریں۔ وفد کے پادریوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ واقعی نبی ہیں، ان سے مباہلہ کرنا تباہی کا سبب ہو گا، چنانچہ انہوں نے مباہلے سے انکار کر کے جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔ اس طرح یہ آیات عیسائی عقائد کی علمی تردید کا ایک مکمل دستاویزی نمونہ بن گئیں۔

سورت کے دوسرے حصوں کے نزول کا تعلق یہودیوں کے ساتھ مدینہ کے واقعات سے بھی ہے۔ مدینہ کے یہودی قبائل اور ان کے علماء طرح طرح کے سوالات کرتے اور شکوک پھیلاتے تھے؛ بعض آیات میں انہی کے جوابات، ان کی تاریخ اور ان کے انبیاء سے کیے گئے عہد و پیمان کا ذکر ہے۔

تاریخی پس منظر: غزوۂ اُحد و بدر ثانی

اس سورت کا ایک بڑا حصہ غزوۂ اُحد (3ھ) کے بعد نازل ہوا۔ سورت کی پچھلی تقریباً ساٹھ آیات میں اُحد کے واقعات کا تجزیہ کیا گیا ہے: مسلمانوں کے وقتی نقصان کے اسباب، تیر اندازوں کی نافرمانی، منافقین کی واپسی، شہداء کی فضیلت، صبر و استقامت کی تلقین اور اللہ کی طرف سے تسلی و دل جوئی۔ غزوۂ بدر کے حوالے بھی اس سورت میں موجود ہیں، کیونکہ اُحد کا موازنہ بدر سے کر کے سمجھایا گیا کہ بدر میں کامیابی اطاعت و توکل کی وجہ سے ملی تھی۔

تاریخی اعتبار سے یہ دور اسلامی ریاست کے لیے سخت آزمائش کا دور تھا۔ بیرونی دشمن مکہ کی صورت میں موجود تھا، اندرونی دشمن منافقین کی شکل میں، اور نظریاتی محاذ پر اہلِ کتاب کے سوالات۔ اس سورت نے تینوں محاذوں پر مسلمانوں کی رہنمائی کی: عقیدے کو پختہ کیا، جنگی اصول سکھائے اور اندرونی صفوں کو متحد رکھنے کی ہدایات دیں۔ اسی لیے مفسرین اس سورت کو مدنی زندگی کے ابتدائی دور کی جامع دستاویز قرار دیتے ہیں۔ سورت کی بعض آیات بہر حال مختلف اوقات میں نازل ہوئیں؛ مثلاً سود کی حرمت والی آیات اور حج کی فرضیت سے متعلق آیات بعد کے سالوں سے منسوب کی جاتی ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ مدنی سورتوں کا نزول مرحلہ وار اور حالات کے تقاضوں کے مطابق ہوتا رہا۔

مرکزی مضمون / سبب نزول	تقریبی آیات	حصہ
توحید، قرآن وتورات کی نسبت، نجران وفد کے جوابات	1تا32	ابتدائی حصہ
آل عمران کا خاندان، حضرت مریم وعیسیٰ علیہاالسلام	33تا63	درمیانی حصہ
آیت مباہلہ، کلمۂ سواء کی دعوت، اہل کتاب سے خطاب	64تا99	مباہلہ ودعوت
غزوہ اُحد کا تجزیہ، صبر، تقویٰ، شہداء کی فضیلت	100تا180	انتظامی وعسکری حصہ
اہل کتاب کے طعنے، اولوالالباب کی دعا، صبر ورابطہ کی تلقین	181تا200	اختتامی حصہ

سورت کے اہم مضامین

اس سورت کے مضامین تاریخی پس منظر ہی کا عکس ہیں۔ اولاً عقیدۂ توحید کا مضبوط اعلان کیا گیا اور عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث وابن اللہ کی مدلل تردید کی گئی۔ ثانیاً حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہاالسلام کی سیرت سے یہ ثابت کیا گیا کہ اسلام انبیاء کی عزت کا واحد علمبردار دین ہے۔ ثالثاً اتحادِ امت کا حکم دیا گیا: "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو" یہ آیت اسی دور کی اندرونی ضرورت تھی۔ رابعاً امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اس امت کی پہچان بتایا گیا اور اسے "خیرِ امت" کا خطاب ملا۔ خامساً سود کی حرمت، اللہ کی راہ میں خرچ کی فضیلت، حج کا حکم اور جہاد وصبر کی تعلیمات بھی اسی سورت میں ہیں۔

یہ مضامین بتاتے ہیں کہ سورت صرف ماضی کے واقعات کا بیان نہیں بلکہ ہر دور کے مسلمانوں کے لیے دستورِ حیات ہے: عقیدہ درست رکھو، نظریاتی مخالفت کا جواب علم و دلیل سے دو، میدان میں ثابت قدم رہو، اندرونی اختلاف سے بچو اور اللہ سے لو لگاؤ۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سورۃ آل عمران کو سورۃ البقرہ کے ساتھ ملا کر "زہراوین" یعنی دو روشن سورتوں کا لقب دیا گیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کے لیے بادل کے ٹکڑوں یا پرندوں کی صفوں کی صورت میں آئیں گی۔ اس فضیلت سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورت اپنے تاریخی پس منظر و شانِ نزول کے ساتھ ساتھ مسلمان کی عملی زندگی میں کس قدر مرکزی مقام رکھتی ہے۔ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری مدینہ کے اس دور سے خود کو جڑا ہوا محسوس کرتا ہے جب عقیدہ بھی محکم ہو رہا تھا اور ریاست بھی تعمیر ہو رہی تھی، اور یہی شعور اس سورت کی تعلیمات کو ذہن نشین کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ آل عمران کا شانِ نزول نجران کے عیسائی وفد کے مناظرے اور اس کا تاریخی پس منظر مدینہ کی نوجوان ریاست کی اندرونی و بیرونی آزمائشوں، خصوصاً غزوۂ اُحد، سے جڑا ہوا ہے۔ اس سورت نے عقیدۂ توحید کی حفاظت، اہلِ کتاب کے اعتراضات کا جواب، امت کے اتحاد اور آزمائشوں میں صبر و استقامت کا مکمل لائحہ عمل پیش کیا۔ اس لیے یہ سورت مسلمانوں کے لیے عقیدے اور عمل، دونوں کا یکساں طور پر رہنما دستور ہے۔

سوال نمبر 5: آیتِ کلمۂ سواء (آل عمران: 64) کا ترجمہ و تشریح (20 نمبر)

سوال نمبر 5: ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ ترجمہ و تشریح لکھیں۔

تعارف

یہ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 64 ہے، جو بین المذاہب مکالمے اور دعوتِ دین کے اصولوں کے باب میں قرآن مجید کی سب سے نمایاں آیات میں سے ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ اہلِ کتاب کو اس مشترکہ بنیاد کی طرف بلائیں جو ان کی اپنی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ یہ آیت نجران کے عیسائی وفد کے ساتھ مباحث کے سلسلے میں نازل ہوئی اور اسی آیت کی عملی شکل رسول اللہ ﷺ کے اس خط میں نظر آتی ہے جو آپ نے روم کے بادشاہ ہرقل کو بھیجا تھا اور جس میں اسی آیت کو نقل کر کے اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔

ترجمہ

"آپ کہہ دیجیے: اے اہلِ کتاب! آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مشترک) ہے: یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب (کارساز) نہ بنائے۔ پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو کہہ دو: گواہ رہو کہ ہم تو فرمانبردار (مسلم) ہیں۔"

لفظی تشریح

"كَلِمَةٍ سَوَاءٍ" سے مراد وہ مساوی و مشترکہ بات ہے جو فریقین کے ہاں یکساں مسلم ہو، جس پر کسی کا اختلاف نہ ہو۔ "تَعَالَوْا" میں بلندی کی طرف آنے کا مفہوم ہے، گویا یہ دعوت ذلت کی نہیں بلکہ عزت و بلندی کی طرف بلاوا ہے۔ "أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ" کا مطلب ہے اللہ کو چھوڑ کر انسانوں کو اپنا آقا و کارساز مان لینا، یعنی کسی انسان کے کہنے کو اللہ کے حکم کے مقابلے میں حجت سمجھنا اور اس کی حلال کردہ کو حلال و حرام کردہ کو حرام مان لینا، جیسا کہ مفسرین نے اس کی وضاحت کی ہے کہ اہل کتاب اپنے علماء و راہبوں کی اسی طرح غیر مشروط اطاعت کرتے تھے۔

تشریح و مفہوم

اس آیت میں دعوت کی تین بنیادیں بیان ہوئی ہیں۔ پہلی بنیاد: عبادت صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ یہ وہی بات ہے جو تورات و انجیل میں بھی موجود تھی اور تمام انبیاء کی مشترکہ تعلیم رہی ہے۔ دوسری بنیاد: شرک کی مکمل نفی — اللہ کے ساتھ کسی کو اس کی ذات، صفات یا اختیارات میں شریک نہ کیا جائے؛ یہاں عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث اور یہودیوں کے بعض غلط عقائد کی طرف اشارہ ہے۔ تیسری بنیاد: انسانوں کی غیر مشروط خدائی اطاعت کا انکار — کوئی عالم، راہب، سردار یا بادشاہ اللہ کے برابر نہیں ہو سکتا کہ اس کے حکم کو اللہ کے حکم پر مقدم کیا جائے۔ گویا یہ آیت مذہبی اجارہ داری اور شخصی پرستش دونوں کی جڑ کاٹتی ہے۔

آیت کے آخری حصے میں دعوت دینے والے کی ذمہ داری بھی واضح کر دی گئی: اگر مخاطب قبول نہ کرے اور منہ موڑ لے تو داعی کا کام لڑائی جھگڑا نہیں، بلکہ یہ اعلان ہے کہ گواہ رہو، ہم تو اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ یعنی داعی اپنے موقف پر قائم رہے، اپنی اطاعت جاری رکھے اور نتائج اللہ پر چھوڑ دے۔ اس سے دعوت کا بنیادی اصول سمجھ آتا ہے کہ ہدایت دینا اللہ کا کام ہے، انسان کا کام پیغام پہنچانا ہے۔

اس آیت کی ایک نمایاں خوبی اس کا انداز ہے۔ اس میں مخاطب کو پہلے اس کی اپنی مسلمہ بنیادوں کی طرف بلایا گیا ہے، دعوت کو "برابر کی بات" کہہ کر پیش کیا گیا ہے تاکہ اسے اپنی توہین محسوس نہ ہو، اور پوری گفتگو دلیل و مشترکہ عقیدے پر رکھی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء اس آیت کو بین المذاہب مکالمے کا قرآنی منشور قرار دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے اہل کتاب کے وفود سے مسجد نبوی میں گفتگو کی، انہیں اپنی عبادت گاہ میں عبادت کی اجازت تک دی اور ان کے ساتھ عزت و رواداری سے پیش آئے۔

غور کیجیے کہ یہ آیت اپنے پس منظر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں طویل مناظرے کے بعد آئی ہے۔ مسلمانوں کا موقف تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں، جبکہ عیسائی وفد انہیں اللہ کا بیٹا قرار دینے پر مصر تھا۔ قرآن نے اس مقام پر نہ تو جارحانہ لہجہ اختیار کیا اور نہ اپنے عقیدے میں لچک دکھائی، بلکہ درمیانہ اور منصفانہ راستہ نکالا: ہم سے اختلاف کی باتوں کو فی الحال ایک طرف رکھ کر اس بات پر آؤ جو تمہاری اپنی کتابوں میں بھی لکھی ہے کہ عبادت اللہ ہی کی ہو گی۔ اس طرح دعوت

کے باب میں یہ سنہرا اصول قائم ہو گیا کہ جہاں مکمل اتفاق موجود ہو، وہیں سے فہمائش کا آغاز کرنا چاہیے۔ تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں اس آیت کے تحت یہی نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ اس میں اہل کتاب کو انصاف کی بات کی طرف بلایا گیا ہے کہ ہم اور تم اس بات پر متفق ہو جائیں جو اللہ نے تمام انبیاء پر نازل فرمائی تھی۔

آیت سے اخذ شدہ اصول و اسباق

- دعوت کا آغاز مشترکات سے کیا جائے؛ اختلافات سے بحث کی ابتدا نہیں کرنی چاہیے۔
- توحید ہی تمام آسمانی مذاہب کی اصل مشترکہ بنیاد ہے، اسی کو مرکز بنایا جائے۔
- کسی انسان کی اندھی اطاعت بھی شرک کی ایک صورت ہے؛ اطاعت صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے۔
- انکار کی صورت میں داعی اپنی اطاعت و استقامت پر قائم رہے اور جزا و سزا اللہ کے سپرد کرے۔

آج کے دور میں جب مذاہب کے درمیان تناؤ اور غلط فہمیاں عام ہیں، اس آیت کا پیغام اور بھی اہم ہو جاتا ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے گفتگو میں اخلاق، دلیل اور احترام کو اپنائے، اپنے عقیدے پر مضبوط رہے اور کسی کے مقدسات کی توہین سے بچے، کیونکہ قرآن نے دوسروں کے معبودوں کو برا کہنے سے بھی منع کیا ہے تاکہ جواباً وہ اللہ کی شان میں گستاخی نہ کریں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ آیتِ کلمۂ سواء دعوتِ اسلام کا سنہرا اصول پیش کرتی ہے: مشترکہ سچائی یعنی خالص توحید کی طرف پرامن دعوت، شرک اور انسانی اجارہ داری کی نفی، اور انکار کی صورت میں اپنی مسلم ہونے کی گواہی پر استقامت۔ یہ آیت ہمیں سکھاتی ہے کہ حق پر مضبوط رہتے ہوئے بھی مکالمہ ہمیشہ حکمت، نرمی اور دلیل کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔